بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ابھی معراج شریف کی تقریب گذری، شب برات آرہی ہے، اور رمضان المبارک کے ماہ صبر کا چاند ہم پر چمکنے والا ہے۔

صوم اور صبر اور ہمت کی جتنی ضرورت آج ہم کو ہے، اتنی کبھی نہ تھی۔ صبر و ہمت کے بغیر حکمت و تدبر کی راہ آدمی پر نہیں کھلتی ہے۔ خواہشوں اور جذبوں کو آدمی لگام دے کر قابو میں نہ رکھ سکتا ہو یا زبان بتیس دانتوں سے باہر نکلی چلی جا رہی ہو تو نہ ایمان بیدار ہو سکتا ہے، نہ حکمت و تدبر کی راہیں کھلتی ہیں، نہ انسان اپنے آپ کو حیوانوں کی سطح سے بلند تر مقام کا صاحب سمجھ سکتا ہے۔ انفرادی زندگی، نجی اور خاندانی، قومی اور ملکی یا ملی اور بین الانسانی مسائل و مصائب کو سمجھنا اور ان پر صحیح ردعمل دکھانا اور ان کو معقولیت اور اعتدال و توازن سے سمجھنا اور سمجھانا اور ان کے درست حل نکالنا یا اُن کے متعلق اپنے ذہنی یا عملی رویے کو صحیح رُخ پر رکھنا صرف ان لوگوں کے مقدر میں ہوتا ہے جو خدا کے احکام، رسولِ پاکؐ کے اُسوہ اور دین کے تعلیم کردہ نسخہ صبر و حکمت کو برت کر شرفِ انسانیت کے قابلِ احترام مقام تک پہنچیں۔

اس مقصد کو اسلام کے عقائد کے تحت اس کی پنجگانہ عبادات سبھی پورا کرتی ہیں، مگر اس معاملے میں روزہ خاص امتیاز اور فوقیت رکھتا ہے۔

ان مبارک مہینوں میں جن کا سلسلہ حج تک چلے گا، خلیجی جنگ کے سارے مظلومین کے لیے عاجزی سے دعائیں کرتی چاہئیں، کویت کے شہدا اور تباہ شدگان

کے عذاب جو قیامت عراق کے شہریوں اور عورتوں اور بچوں پر ٹوٹ پڑی ہے۔ اس نے قلوب کو جھنجھوڑ دیا ہے۔ ان سطور کی تحریر کے دوران ہی یہ اچھی اطلاع ملی ہے کہ صدام حسین نے کویت کو خالی کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اعلان سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر ۶۶۰ کے تحت کیا گیا ہے، جس میں لکھا گیا ہے کہ عراق کویت کو غیر مشروط طور پر خالی کر دے۔ ویسے صدام حسین صاحب نے سیاسی مہارت سے کام لیتے ہوئے فلسطین کے مقبوضہ علاقوں کی واگذاری اور اسرائیلیوں کو حال ہی میں دیئے ہوئے مہلک اسلحہ کی واپسی کی شرائط بھی اُٹھا دی ہیں۔

اب اس بابرکت دور میں ہماری دُعا ہے کہ قتل و غارت کا سلسلہ بند ہو، کویت جس نے ۷۱ ہزار افراد کی قربانی اور دولت اور تیل کی بے شمار تباہی برداشت کی ہے، آزاد مملکت کی حیثیت سے بحال ہو۔ عراق میں انسانی جان و مال کا زیاں ختم ہو، اُمّت کی امن کانفرنس کامیابی سے منعقد ہو کر نتیجہ خیز ہو۔ سعودی عرب کو امن واپس ملے اور امریکی اور اتحادی فوجیں رخصت ہوں اور اپنے نیو آرڈر کے شر پسندانہ سامراجی منصوبوں کو فائیلوں میں واپس رکھ دیں۔

اب کہ خلیجی قضیئے کے حل کی راہ نکل رہی ہے۔ اور صدام حسین نے بڑی عظمت کا ثبوت دیتے ہوئے کویت کو خالی کر دینے کا اعلان کر دیا ہے، نیز ہم محسوس کرتے ہیں کہ اب خلیجی ممالک پر وارد شدہ مصیبت ٹل جانے والی ہے، اب ہم ذرا "بازبہ خویشتن نگر" کے احتسابی فارمولے پر عمل کرتے ہیں۔ تاکہ آگے جو آزمائشیں آنے والی ہیں اور پاکستان کے لیے حالات جو ٹیڑھی شکلیں اختیار کر رہے ہیں، ان میں اپنا فرض حکمت و تدبّر اور سنجیدگی اور قربانی سے ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔

پہلا بڑا حادثہ یہ ہے کہ ہم نے بہ حیثیت ملّت اپنے آپ کو ایک صاحب حکمت و تدبیر قوت کے بجائے ، بھڑکتے جذبات کی سرمستی میں غوغا آرائی کرتے ہوئے پیش کیا ہے ۔ یہ ایک مقدّس دین حق رکھنے والی اور ایک شاندار تاریخ کی وارث قوم اوّل تو پچھلے سو پچاس برس سے ماضی کے احوال کی روشنی میں مستقبل کے امکانات کو سمجھ ہی نہیں سکی ، اور نہ ہی اس کے دینی رہنماؤں نے ، نہ علمی طور پر ریسرچ کرنے والوں نے ، نہ سیاسی اکابر اور صحافی و دانش ور اصحاب نے اسے آنے والے چیلنج سے کبھی آگاہ کیا ، نہ اس کے مقابلے کی کوئی فکری اور عملی تیاری کرائی ، اور نہ جب ایک بلا ٹوٹ پڑی تو اس پر غور و فکر کر کے مضبوط مگر ٹھنڈے انداز میں کوئی رہنمائی دی ۔ کسی نے نہیں بتایا کہ اب جب کہ تم امواج حوادث میں ناگہانی طور پر گھر گئے ہو تو ان سے لڑ کر یا ان پر سوار ہو کر یا ان پر کوئی جہاز تیرا کر ، کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہو ۔

پس فوری طور پر باہر کے اِس تاریخی طوفان کے مقابلے کے لیے ہم نے اپنے اندھے ہیجانات کی قوت کو میدان میں ڈال دیا ۔ غیظ و غضب پھیلا ہوا ہے ، نعرے لگ رہے ہیں ، سڑکیں گھسائی جا رہی ہیں ، دشمن کے پتلے اور اس کے ملکی جھنڈے جل رہے ہیں ، خود اپنی قومی اور عوامی املاک کی تباہی بھی ہو رہی ہے ۔ عراق کے لیے بھرتی کے دفتر کھل گئے ہیں ــــ اور یوں لگتا ہے کہ بس اسی غوغا آرائی سے امریکہ اور اس کے اتحادی مفتوح ہو رہے ہیں ۔ ان کی مسلم دشمنی کے ڈنک کو کچلا جا رہا ہے ۔

مگر بدقسمتی سے نہ کسی کو یہ معلوم کرسارا چکر کیا ہے ؟ اس جنگی ڈرامے کا مسحور ایکٹر اور مسمسا ڈائریکٹر کون ہے ؟ ظلم و استبداد کس کس نے کس کس پر کیا ہے ؟ اس کے پیچھے کے تاریخی عوامل کیا ہیں اور آگے چل کر بڑی طاقتوں کا پروگرام کیا ہے ؟ کس کو کس سے کٹنا اور کس سے جڑنا ہے ؟ اور خود ہماری کیا گت بن سکتی ہے ؟ نیز عراق میں جو رضاکار بھیجے جانے والے ہیں ، ان کے لیے اجازت حاصل کی جا چکی ہے یا محض پروپیگنڈا اسٹنٹ ہے ؟ ان کو آیا لائن بنانے کی بھی تربیت دی گئی ہے ؟ وہ عراق جا کر کون سے جدید اسلحہ کو استعمال کرنے مہارت دکھائیں گے یا ان کو وہاں دو چار ماہ

کی ٹریننگ کس طرح دی جائے گی؟ وہاں کی حکومت ان کے لیے خوراک، لباس اور ادویہ کا کیا انتظام کرے گی؟ کیا ۵ لاکھ رضاکاروں کے لیے رسد کا انتظام وہاں ایک ہفتہ کے لیے بھی ہو گا یا کیا یہ لوگ آٹے کی بوریاں اور دالیں اور دوسری خشک رسد ساتھ لے جائیں گے؟ یا چند ماہ بھوک ہڑتال کی حالت میں لڑائی کر کے قوتِ ایمانی کا ایک نیا پہلو سامنے لائیں گے۔

جب ان سوالوں کو سامنے رکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہم خوابوں اور سرابوں کی دنیا کے لوگ ہیں جنھیں اللہ نے منّت کشِ عقل و تدبّر ہونے سے فارغ کر دیا ہے اور جو دنیا کی دنیا کو محض اپنے جذباتی اُبال سے فتح کر سکتے ہیں۔

عالمی دشمن طاقتیں گو ہمارے حال زار سے پہلے بھی آگاہ ہیں، مگر انھوں نے عالمِ اسلام کے جسم میں شیطنت کے نیزے جو آتی چبھوئی ہے اس پر ہمارے ردِّ عمل نے تھوڑے سے بہت مغالطوں کا امکان بھی ختم کر دیا ہے۔ ہمارے ذہنی دیوالیہ پن کا راز عین میدانِ معرکہ میں حریف پر فاش ہو گیا۔

دوسری دردناک حقیقت یہ ہے کہ "کویت — عراق — امریکہ" کی جنگِ مثلث نے تمام مسلم دنیا کو پھاڑ دیا ہے۔ چھوٹے موٹے داخلی روزمرہ معاملات میں تو ہمیشہ چخ چخ ہوتی ہی رہتی تھی، یہاں تک کہ شریعت بل پر بھی اختلافات کے نیچے لڑانے میں علماء اور جدیدیوں کے دونوں گروہوں نے بڑا مظاہرۂ فن کیا۔ مگر اب خلیجی قضیے کے عنوان سے ایک ملّی معاملے میں ہمارے دینی علماء اور سیاسی دانش ور، اربابِ تحریر اور اصحابِ تقریر، مقتدرین اور ان کے مخالفین اپنی اپنی بولیاں اس طرح بولنے لگے جیسے ہر مسلمان ملک میں چاہِ بابل کا سا عالم ہو۔ وہی کیفیت کہ ؏

شکرہ بر کنجشک و بر آہو پلنگ

ہر کوئی اپنی اپنی بات ٹھونستا ہے اور کسی دوسرے کی نہیں سنتا۔ سنتا ہے تو کسی دوسرے

سے کچھ اخذ نہیں کرتا۔ دو چار فریقوں کی رائیں بھی اپنی اپنی ہیں اور دلائل بھی اپنے اپنے سارے جتھوں کے قافلہ سالار بھی الگ ہیں۔ اخبارات پڑھیں تو ان کے بھی نوٹ اور خبروں کی سرخیاں مختلف، مختلف شخصیتوں کی اہمیتیں مختلف — اور پھر تازہ خبر نہ ہو تو پچھلی خبروں کے لیے نئی نئی تصویریں جوڑ کر ان کے لیے نئے لفظوں میں سٹوریاں لکھوانا اور ان پر نئے عنوان جمانا، خبریت کا معیار یہ کہ کون انوکھی بولی بولتا ہے؟ کون کس پر سیاسی فقرہ بازی کا زیادہ مزے دار حملہ کرتا ہے۔ مرغوب ترین اطلاعات وہ جن کی رو سے کوئی آواز ملک کے خلاف اٹھے، یا یہ نہیں تو حکومت کے خلاف۔

پھر ہر اہم شخصیت کی ذرا سی بات کو اپنا مستقل مورچہ بنا کر دوسری طرف گولہ باری شروع کر دینا، جیسے مرزا اسلم بیگ کے ایک معقول سے بیان کے گرد تعریفی دیوار کھڑی کر کے نصرت بھٹو صاحبہ مورچے میں مشین گن لے کر بیٹھ گئیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اگر کویت کا ذکر بیچ میں لائے تو سمجھو کہ امریکی سازش کے ہاتھوں مارے گئے۔ کسی کا شعور یہ ہے کہ صدام بھی امریکی ڈرامے کا پہلے سے پسند کردہ حقیقت ناشناس ہیرو ہے۔ کسی کے منہ سے جھاگ اس بات پر اٹھ رہی ہے کہ ساری شرارت کویت اور سعودی عرب کی ہے، وہ اگر امریکہ کو نہ بلاتے تو کویت کا مسئلہ تو خود ہی مسلم امہ حل کر لیتی۔ جی ہاں! جیسے مسلم امہ نے اپنے پہلے سارے مسائل تو حل کر ڈالے ہیں۔ مسلم امہ کو تو صدام منہ لگانے کو تیار نہیں ہے۔ بڑے بڑے طرم خان پگڑیاں اس کے پاؤں پر رکھ کر بے نیل و مرام اس کی پناہ گاہ سے باہر نکلے تو بات رکھنے کو یہی بتایا کہ —

"صدام ساڈا شیر ہے، باقی ہیر پھیر ہے" وہ تو ایسا صندم صندا شخص ہے کہ ہفت اقلیم سے کیا، ہفت آفاق سے لڑنے کو تلا بیٹھا ہے۔ ہوا ناں ایمان کا پتلا۔

سو ایک کشمکش وہ ہے جو امن کی کوششیں کرنے والوں اور سڑکوں پر "تاک دھنا دھن تاک" کرنے والوں کے درمیان ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ صدام کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکنا اور امن مشن کا جھنڈا اٹھا لینا ملت سے غداری ہے۔ ایک اور جنگ یہ برپا ہے کہ بش کے پتلے جلانے والے اور صدام کی تصویریں اٹھاتے سڑکوں پر

مارچ، بلکہ ڈبل مارچ، اور ساتھ ہی غُل غپاڑہ کرنے والوں کے لیے سپاہیانِ ملّت جب ذرا اچھی طرح گرم ہو جاتے ہیں تو پھر سارا بخار اپنی حکومت کے خلاف نکالتے ہیں۔ کیونکہ امریکہ اور عراق کا فیصلہ تو نہ جانے کب اور کیا ہو، یہاں جو جہاد برپا ہے اس کا تو نتیجہ فوری نکل آنا چاہیے۔ پاکستان کے قصرِ اقتدار کو تو دو روز میں فتح کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ "سلطنت نازک تر آمد از حباب"۔ سو ہمارے غازیوں کی بعض رجمنٹوں اور ان کے سپہ سالاروں کی ساری جدوجہد فی الحال اس پر صرف ہو رہی ہے کہ اپنی حکومت پر فتح پالی جائے، ملّت کی فتح بعد میں ہوتی رہے گی۔ اور ہمارے ہاں پریس ایسا ہے کہ وہ استحکامِ ملک اور استحکامِ حکومت (جو جمہوری ہے) پر زور دینے کے بجائے اس کے خلاف گولہ باری کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرکے گرمیٔ کارزار، اور اپنی گرمیٔ بازار کے اہتمام میں لگا ہوا ہے۔ بڑا نیک کام ہے۔

ذرا دیکھیے حالِ زار! ایک ملک کے اندر کتابِ وحدت کے اوراق جھیر جھیر، شیشۂ اخوت ریزہ ریزہ، صوبے صوبوں کے خلاف، دینی مدرسے مدرسوں کے خلاف، مولوی صاحب مولوی صاحب کے خلاف، ایڈیٹر صاحب ایڈیٹر صاحب کے خلاف، لیڈر صاحب لیڈر صاحب کے خلاف، عورتیں عورتوں کے خلاف، جلوس جلوسوں کے خلاف، نعرے نعروں کے خلاف! ــــ اور چلے ہیں عراق سے رشتہ جوڑنے اور امریکہ کا پتہ کاٹنے! ہمارے بعض امام تو ایسے ہیں کہ انہیں مکہ کے کعبے، مدینے کے روضے سے زیادہ عزیز بڑے پیر صاحب کا مزار واقع بغداد ہے۔ جہاں نجانے انہیں کس نے بتایا کہ صدام گیارھویں شریف کا اہتمام کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ چندر شیکھر کیا، خود امریکہ بھی گیارھویں شریف کو قومی یا سرکاری تقریب بنا دیں۔

ہم تو ہمہ تن شکست ہیں، کسی اور کو کیا فتح دلوائیں گے۔ ہم تو تمام تر افتراق کا شکار ہیں۔ گھر میں تو ایک دوسرے سے سیدھے منہ بات نہیں کر سکتے۔ کہاں ہم ملّت یا اُمّہ کے اتحاد کے علم لہراتے پھر رہے ہیں۔

اتنا فریب؟ اتنا دھوکہ؟ اتنے تضاد؟ ــ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

ماشاءاللہ! ہم بڑی عظیم قوم ہیں اور ہم نے دُنیا کے سامنے اسلامی تہذیب کو روشنی کا ایک مینار بنا کر کھڑا کرنے کا عہد کیا تھا۔ اب ذرا نصف صدی کے کارناموں پر نظر ڈال کر آج کی حالت دیکھیے۔

نظامِ امتحانات کو تہ و بالا کرنے کے لیے آپ کے ہاں جو عظیم الشان مجرمانہ کارروائی ہوتی ہے اور جس کا دائرہ بہت وسیع ہے، کیا آپ نے اس پر غور کیا۔

کیا آپ نے بسنت کی پتنگ بازی کی بہار دیکھی جس پر کروڑوں روپے اُٹھ گئے، عورتیں چھتوں پر کُودتی پھریں۔ اکا دکا بچے بڑے تو اس جہاد میں "شہادت" پا گئے، باقی صدہا زخموں کا ثواب سمیٹ رہے ہیں۔ ڈھول ڈھمکے کی دَھنا دھن، کلاشنکوفوں کی تڑاخ پڑاخ اور لاؤڈ سپیکروں کی چیخم دھاڑ ــ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب عراق پر آگ برس رہی تھی۔

آپ کی قوم کو اس غمناک سال میں بھی توفیق نہ ہوتی کہ ہزارہا بیلیوں کے باوجود کم سے کم اس مرتبہ پتنگ بازی نہ ہوتی۔ جب کہ خلیج میں کویت کے بعد عراق کی پتنگیں لوٹی جا رہی ہیں۔ اور ہزاروں عورتوں اور بچوں کے سانس کی ڈور کٹ رہی ہے۔ ہم سے تو آزادی کے بعد سے زائد سالوں میں یہ بھی نہ ہوا کہ ہندوؤں کے اس تہوار کا نام ہی بدل کر "جشنِ بہاراں" یا کچھ اور رکھ لیتے۔ اور اس کے لیے اپنے ہاں تاریخ ایک دو دن پہلے یا پیچھے مقرر کر لیتے۔ اس شان سے ہم نے خلیجی احوال کے بارے میں ہمدردی ظاہر کی۔

آپ کے ہاں جو شادیاں ہو رہی ہیں۔ ان میں جہیز، مہر اور بری کے شاہی اخراجات کے علاوہ مہندی کی بدعتی رسموں اور ولیمہ کی مسنون روایت کے نام سے دولت اور خوراک کی جو بربادی ہوتی ہے، نیز شامیانوں، دریوں، قالینوں، صوفوں اور لائٹوں کے لیے جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں سب سمگلر یا ہیروئن کے بیوپاری رہتے ہیں، جن کے قریب تک اسلام کبھی نہیں

بھٹکا۔ جو لوگ روایتی دیندار ہیں، وہ بھی دولت کے بارے میں انفرادی ملکیّت کا ایک ہی قانون جانتے ہیں۔ انہیں نہ اسراف و تبذیر کا پتہ ہے، نہ طبقہ واریت پیدا کرنے والے استعمالِ دولت اور نمائشِ دولت اور کبرِ دولت کے بارے میں کچھ علم ہے، نہ انہیں یہ معلوم ہے کہ اسلام کے پاس ایک قانونِ تحدید بھی ہے اور دولت کا احمقانہ یا مفسدانہ یا مفادِ عامہ کے خلاف استعمال کرنے والے سفہا کے لیے قانونِ حجر بھی ہے۔

پھر آپ نے لڑکیوں کو پھانس کر ناشائستہ حالت میں ان کی بلیو فلمیں تیار کرنے کے اسکنڈل کو بھی پچھلے دنوں پڑھا۔ آپ کے ہاں چلتی بسوں اور کاڑیوں پر ڈاکے ہوتے ہیں۔ بنک لٹتے ہیں، بم پھٹتے ہیں، عورتوں کا اغوا برائے فروخت ہوتا ہے اور دولت مندوں، عہدہ داروں اور سیٹھوں یا اُن کے بچوں کا اغوا برائے وصولیٔ تاوان۔ آپ لوگ جن کے ہاں تمام دروازوں کو کھولنے کی کنجی رشوت ہے، آپ جن کے تھانوں میں کوئی شخص سنگین سے سنگین جرم کر کے پہنچتا ہے تو اس کے لیے لازماً اُوپر سے ایسا جناتی ٹیلیفون آجاتا ہے کہ اس کی ہتھکڑیوں اور حوالات کے دروازوں کے تالے کھل جاتے ہیں۔ آپ کے ہاں عورت بن سنور کر معاشرے میں چلتی پھرتی ہے اور غریب طبقوں کے نوجوانوں میں اُکساہٹیں پیدا کرتی ہے، نیز فلمیں، رسائل و اخبارات کی تصویریں، اشتہارات کے ڈیزائن اور ٹیلی وژن کے پروگرام، وڈیو کیسٹیں، بلیو فلمیں اور جنسیّت آلود شعر و ادب جب اُکساہٹوں کو طوفان و طغیان میں بدل دیتا ہے تو بار بار کی ان روزمرّہ اکساہٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عام لوگوں کی قوّتِ مزاحمت جواب دے جاتی ہے اور اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو ضمیروں کے پشتے روک نہیں سکتے تو پھر جبر و اکراہ کا کوئی گندا واقعہ یہاں اور کوئی وہاں رونما ہوتا ہے۔ یقیناً ایسا کرنے والا مجرم ہے مگر اسے اُکساہٹیں دلانے کے بے شمار مجرم بھی تو مجرم ہیں۔ اندریں حالات بیچاری نسوانیت کا ناموس آئے دن لٹتا رہتا ہے۔ اور اب تو اگر وہ پولیس کے سامنے جائے تو وہاں بھی خیر نہیں۔ اب تو جرائم

باہر سے نکل کر تھانوں میں پناہ لے رہے ہیں۔ اور اگلے دن ایک مجسٹریٹ کا قصہ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ جرم کی بلا تو عدالتوں میں بھی پناہ لے سکتی ہے۔

ایک اور نقطۂ نظر سے دیکھیں تو ہم لوگوں کے جسموں اور آنگنوں سے لے کر سڑکوں اور پارکوں تک ہر جگہ گندگی پھیلی ہوئی ہے۔ یہ وہی قوم ہے جس نے پہلی دفعہ یورپ کو صابن اور غسل سے آشنا کیا تھا۔ اب یہ حال ہے کہ اس کے کسی بھی گوشۂ زندگی میں صفائی باقی نہیں ہے۔ وہ تجاوزات سے نجات پا نہیں سکتی۔ دوسرے شہریوں (یا حکومت یا کارپوریشن) کی جگہوں یا چیزوں پر بے دھڑک لوگ قبضہ جمائیں گے۔ ان کے گلے سے ہر حرام ایسے مزے سے اتر جاتا ہے جیسے وہ شیر مادر ہو۔ شرابی، جواری، زانی، طوائفیں، سود خوار، جعلی پیر اور ان کے طلسمات کا شکار ہونے والی نادان لڑکیاں اور قدیم عورتیں چپے چپے پر بھنگی اور چرسی مجاوروں کی دکانیں مزاروں کی آڑ میں اور ان کے گرد گاہکوں کے ہجوم ہوں کے ہر گھٹیا سے گھٹیا بلکہ مجرمانہ تقاضے کے لیے سجدہ پاشی کے ساتھ اس طرح سوال کرتے ہوئے جیسے سامنے خدا بیٹھا ہو اور ہر فدائی قریہ دکاندار کو اس خیال سے زیادہ سے زیادہ فیس ادا کرتا ہے کہ کچھ حابت حضرتِ قبلہ حاجات کے سامنے ان کا پرسنل سیکرٹری بھی کر دے گا۔

کیسی پستیاں ہیں جن میں ہم اُتر گئے ہیں اور مسلسل نیچے چلے جا رہے ہیں، نہ خود اُوپر اُٹھنا چاہتے ہیں، نہ کوئی دوسرا اُوپر اُٹھانے والا ہے۔ شاعر لذتِ نفس کے لیے غزل سرائیوں میں محو ہے۔ ادب افسانوں میں بڑی بڑی حقیقتیں لاتا ہے، مگر ہمارے گرد پھیلے ہوئے چٹانوں جتنے بڑے انگارے اسے دکھائی نہیں دیتے۔ خطیب ہے سو انتہائی اونچی آواز کے لاؤڈ اسپیکر مسجد میں لگوا کر حاضرین ہوں تو آدھی رات تک خود تقریریں کرتا ہے اور دوسروں سے نعتیں پڑھواتا ہے۔ حاضرین نہ ہوں تو جلسوں جلوسوں، تقریروں اور نعتوں کے کیسٹ لگا دیتا ہے۔ اُسے آس پاس کے لوگوں کے حالات، ضروریات اور آرام کا کوئی خیال نہیں ہے اور نہ بچارے

کو دکھی انسانیت کے حقیقی مصائب اور لپستیوں کا علم و احساس ہے۔ ایسی دنیاوی باتیں وہ کبھی نہیں کرتا۔

یہ ہے پاکستان کی ملّتِ اسلامیہ جو کہیں جلسوں میں ناچ ناچ کر، کہیں سڑکوں پر اُچھل اُچھل کر عراق عراق اور امریکہ امریکہ پکار رہی ہے۔ گویا یہ عراق کے حق میں محوِ جہاد ہے اور امریکہ کو شکست دے رہی ہے۔ کاش کہ اسے اپنے حالِ زار کا علم ہوتا اور یہ سنبھل سکتی۔

یہی حال ایک ایک مسلم ملک میں ہمارا ہے۔ حکومتیں اور جماعتیں اور محراب و منبر، اخبارات و مطبوعات اور اشخاص و رجال ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں اور ساری ملّت تقسیم ہوگئی ہے۔ کتنی بڑی کامیابی ہے امریکہ اور اس کے حواریوں اور استعماریوں اور صلیبیوں اور صہیونیوں کی کہ ہم ایسے اُصول نہیں رکھتے کہ ہم فوراً دو یا تین نکات پر یا پانچ چھ پر جمع ہو کر ڈٹ جاتے۔ اور ترکی سے مراکش، مراکش سے انڈونیشیا، اور انڈونیشیا سے پاکستان، پاکستان سے ایران اور ایران سے عراق اور عراق سے کویت اور سعودی عرب تک ہماری ایک فکر ہوتی اور اس پر مبنی ایک صف بن جاتی۔

لیکن ہماری یہ ملّی صفِ اتحاد ٹوٹے مدّتیں ہوگئیں، بے شمار شکستوں نے، پھر استعماری طاقتوں کے نفوذ نے، طرح طرح کے مفاد اور اندیشوں نے، ٹوٹ ٹوٹ کر بننے والی سرحدوں نے، مغرب پرستوں اور مخالف مغرب قوّتوں کے تصادم نے، جدید لادین اور بے معیار جمہوری سیاست اور اسلامی نظریۂ خلافت و شورٰی کے ٹکراؤ نے، معاشی ضرورتوں اور احتیاجوں نے، ہمیں مدّتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

ع ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

آج تمام مُسلم ممالک و اقوام کی اپنی اپنی دیواریں ہیں، اپنے اپنے نظریے اور عقیدے ہیں، اپنے اپنے تعصّبات اور تاریخی زخم ہیں۔ روسی اور امریکی استعمار

میں تقسیم ہو جانے کی وجہ سے الگ الگ معیارات ہیں۔ پھر سعودی عرب کے شمال کا ایک لمبا خطہ ایسا ہے جہاں چاہے آپ اسلام اسلام اور ملّت ملّت پکار کر کتنا بھی اُچھلیں، ایسے ایسے شدید مخالفِ اسلام اور نقیضِ ایمان نظریات کا غلبہ ہے کہ جنگ کی شورا شوری اور جذباتی ہیجانات سے نکل کر اگر کچھ لوگ اس بارے میں ریسرچ کر سکیں کہ دروزی اور نصیری کن معتقدات پر قائم ہیں تو پھر آپ کو اندازہ ہو کہ وحدتِ ملّت کا خواب پورا کرنے کے لیے آج تک کیوں کوئی راہ نہیں نکل سکی۔ پھر آپ اپنی اس شانِ افتراق کے ساتھ کس طرح اُچھل رہے ہیں؟ کس خوشی میں غوغا آرائی کر رہے ہیں؟ جوش و خروش کی طغیانیاں کیا حقیقت رکھتی ہیں؟

ہمارے دشمن ہماری بیماریوں اور کمزوریوں سے خود ہمارے مقابلے میں زیادہ واقف ہیں۔ مزید مجھ کرانے کی کیا ضرورت ہے؟

اگر اسلام کی بنیادوں پر صفِ وحدت استوار کرنی ہے (جو شرعاً لازم ہے) تو پھر گستاخی معاف! آپ اس معاملے میں قرنوں سے شکستیں کھا رہے ہیں۔ اور بارہا مسلمانوں کے مونہوں پر مسلمانوں کے طمانچے پڑ چکے ہیں۔ آج بھی یہی حال ہے۔

اصل سوال یہ ہے کہ آیا اسلام بیچ میں مؤثر طور پر دخیل ہوتا ہے یا نہیں؟ ہو تو کیسے ہو جب کہ سو دو سو سال سے آپ کبھی اس کا منہ نوچتے ہیں، کبھی مسخ و تحریف کرتے ہیں، کبھی اسلام کا نام لینے والوں کو ملّا ملّا کہہ کر گالیاں دیتے ہیں۔ کبھی آپ کو اسلام سے زیادہ اہم آپ کے پسندیدہ مختارات اور اجتہادات محسوس ہوتے ہیں۔

تو پہلے اسلام کی بنیادوں پر ملّت کی سچی صفِ وحدت قائم کر لیجیے، پھر کوئی اور بات کیجیے گا۔

سلسلۂ کلام درحقیقت یہاں ختم نہیں ہوجانا چاہئے تھا - بلکہ دو تین اہم پہلو اور بھی بحث ونظر کے باقی ہیں ، مگر میرے پاس زائد صفحات اور زائد قوت کار نہیں ہے - پس یہاں تک کی گفتگو جن چیزوں پر غور کرنے اور جن کمزوریوں پر توجہ کرنے کی دعوت دیتی ہے ، کاش کہ کچھ لوگ اس مخلصانہ دعوت کو صدقِ دل سے قبول کرکے سچے دل سے ملّت کی صلاح وفلاح کی راہیں تلاش کریں -